37

ہمارے پاس دنیا کو بچانے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ دعا ہے

(فرمودہ 11 اکتوبر 1946ء بمقام دہلی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"آج مجھے آنے میں دیر ہو گئی ہے کیونکہ مَیں سخت کوفت محسوس کر رہا تھا۔ مَیں سمجھتا تھا کہ میرے اعصاب کام کی زیادتی کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں۔ اخبار پڑھنے کے لئے چارپائی پر لیٹا۔ گیارہ بجے کے قریب آنکھ لگ گئی اور ساڑھے بارہ بجے کے قریب آنکھ کھلی۔ اس کے بعد نہانے اور کھانا وغیرہ کھانے میں دیر ہو گئی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جو مشکلات اِس وقت ہندوستان میں پیش آ رہی ہیں اُن کی بہت بڑی ذمہ داری ہماری جماعت پر ہے۔ کیونکہ لوگ اپنی تدبیروں سے مشکلات کا علاج کرتے ہیں مگر ہم وہی کام آسمان پر اپنی التجاؤں سے کرتے ہیں۔ میرے اِس جگہ آنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ مَیں قریب رہ کر یہاں کے حالات کا پتہ لگا سکوں اور اِس طرح زیادہ دعاؤں کی تحریک ہو گی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختلافات کے متعلق جو خبریں دی ہیں اُن کے بعض حصے پورے ہو چکے ہیں اور بعض پورے ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حصے جو خیر والے ہیں اُن کو پورا کر دے اور جو شر والے ہیں اُن کے بد نتائج سے محفوظ رکھے۔

خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ انذاری خبروں کو دعاؤں سے منسوخ کر دیتا ہے۔ اس لئے

جماعت کو چاہئے کہ وہ خصوصیت سے دعاؤں میں لگ جائے اور دوسروں کو بھی دعا کے لئے تحریک کرے۔ ہماری جماعت میں سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی دعاؤں میں اثر نہیں ہے لیکن یہ خیال کرنا کہ دوسروں کی دعاؤں میں اثر نہیں ہے غلط ہے۔ وہ جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔ 1 یہ اس دعا کے متعلق ہے جو نبیوں کے مخالف ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ سچی جماعت کے سوا دوسروں کی دعائیں سُنی ہی نہیں جاتیں۔ اللہ تعالیٰ جیسے ہمارا خدا ہے اسی طرح ہندوؤں، سکھوں، یہودیوں، عیسائیوں، زرتشتیوں، بدھوں اور دوسری اقوام کا بھی خدا ہے اور وہ سب کی سنتا ہے۔ ہمارے سامنے یونسؑ نبی کی مثال موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام کیا کہ چونکہ تمہاری قوم تکذیب میں انتہاء کو پہنچ گئی ہے اِس لئے تمہاری قوم ساری کی ساری تباہ کر دی جائے گی۔ جا اور اپنی قوم کو خبر دے کہ چالیس دن کے اندر اندر وہ تباہی تم پر آ جائے گی۔ حضرت یونسؑ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صفت کے متعلق جانتے تھے کہ وہ تمام باقی امور پر حاوی ہے اِس لئے انہوں نے عرض کیا کہ اے خدا! تُو مجھے ابتلا میں نہ ڈال تو رحیم و کریم ہے۔ وہ لوگ توبہ کریں گے تو تُو اُن کو معاف کر دے گا اور مَیں جھوٹا ٹھہروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا جو ہم کہتے ہیں اس پر عمل کر۔ بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم کے پاس آئے اور اُنہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا بجائے اِس کے کہ وہ نیکی اور تقویٰ اختیار کرتے اُنہوں نے تمسخر اور ہنسی شروع کر دی۔ حضرت یونسؑ نے ان کو بتا دیا کہ چالیس دن کے اندر اندر تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہو گا جو تمہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ حضرت یونسؑ کچھ دنوں کے بعد اس خیال سے کہ اب میری قوم پر عذاب آنے والا ہے اپنی قوم کو چھوڑ کر باہر چلے گئے اور دور جا کر ڈیرا لگا لیا۔ چالیس دن کے بعد آخر جب وہاں سے کوئی شخص گزرا تو حضرت یونسؑ نے اسے پوچھا۔ بتاؤ۔ نینوا شہر والوں کا کیا حال ہے؟ اُس نے کہا۔ سب راضی خوشی ہیں۔ یہ خبر سن کر حضرت یونسؑ وہاں سے گھبرا کر بھاگے کہ اب مَیں اپنی قوم کو کیا منہ دکھلاؤں گا۔ 2 قرآن کریم نے یہ واقعہ اِس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت یونسؑ وہاں سے سمندر کے کنارے پر آئے اور ایک جہاز میں سوار ہوئے۔ کچھ دور جا کر جہاز ہچکولے کھانے لگا۔ اس پر جہاز والوں نے قرعہ اندازی کی کہ کون بھاگا ہوا

غلام ہے۔ حضرت یونسؑ کا نام نکلا۔ جہاز والوں نے پکڑ کر آپ کو سمندر میں پھینک دیا اور آپ کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ تین دن رات پیٹ میں رکھنے کے بعد ایک جگہ سمندر کے کنارے پر اُگل دیا۔ چونکہ آپ کمزور اور نحیف تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سایہ کے لئے ایک بیل اُگا دی **3** لیکن اس بیل کو کسی کیڑے نے کاٹ دیا اور وہ سُوکھ گئی۔ حضرت یونسؑ نے اللہ تعالیٰ سے اُس کیڑے کے لئے بد دعا کی۔ انسان کے دل میں بعض دفعہ رنج پیدا ہوتا ہے اور وہ رنج شکایت کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ حضرت یونسؑ نے شکایت کے طور پر اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ یہ بیل مجھ پر سایہ کئے ہوئے تھی، کمبخت کیڑے نے اُسے کاٹ دیا تو اسے تباہ و ہلاک کر۔ یا اِسی طرح کے کوئی اَور الفاظ کہے۔ یہ تمام واقعہ حضرت یونسؑ کو اس لئے پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک سبق دینا چاہتا تھا۔ جب وہ اپنے خیالات میں تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا۔ اے یونسؑ! یہ بیل تمہاری پیدا کی ہوئی نہیں تھی یہ بیل ہماری پیدا کی ہوئی تھی۔ تمہارے ساتھ اس کا صرف اِتنا تعلق تھا کہ وہ تم پر سایہ کئے ہوئے تھی۔ تمہیں اس کے تباہ ہونے پر کتنا افسوس ہوا ہے۔ اے یونس! کیا میرے لاکھوں لاکھ بندے جن کو مَیں نے پیدا کیا تھا۔ جب انہوں نے توبہ کی اور اپنے فعل پر پشیمان ہوئے تو مَیں اُن کا خیال نہ کرتا اور ان کو ہلاک کر دیتا۔**4** تب حضرت یونسؑ کو سمجھ آئی کہ میرا یہ فعل درست نہ تھا۔ وہ واپس نینوا والوں کے پاس گئے۔ وہاں جا کر ان کو معلوم ہوا کہ واقع میں عذاب آ گیا تھا لیکن نینوا والوں نے چونکہ توبہ کی تھی اِس لئے وہ عذاب اُن پر سے ٹلا دیا گیا۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ہی مثال ہے کہ کسی قوم پر عذاب آ گیا ہو اور وہ توبہ کرنے کی وجہ سے بچ گئی ہو اور وہ نینوا والوں کی مثال ہے۔ جب حضرت یونسؑ کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھے تو اُنہوں نے فیصلہ کر لیا کہ عورت، مرد اور بچے سب شہر سے باہر نکل جائیں اور اپنے جانوروں کو بھی ساتھ لے جائیں اور یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہ پلائیں اور جانوروں کو چارہ نہ دیا جائے۔ چنانچہ مردوں اور عورتوں نے دعا شروع کی۔ اُدھر بچوں نے دودھ نہ ملنے کی وجہ سے بِلبلانا شروع کیا اور جانوروں نے چارہ نہ ملنے کی وجہ سے چلانا شروع کیا۔ بچوں کے رونے اور چِلّانے کی وجہ سے ماؤں اور بہنوں نے زیادہ جوش اور درد کے ساتھ دعائیں شروع کیں۔ مردوں اور عورتوں کے

رونے سے، بچوں کے بِلبلانے سے اور جانوروں کے چِلّانے سے فضا گونج اٹھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گریہ وزاری کی حالت کو دیکھ کر ان سے عذاب کو ٹلا دیا۔ تو دیکھو وہ عذاب جس کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نبی نے اس کی خبر بھی دے دی تھی۔ لیکن ان لوگوں نے دعائیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سنیں، ان کی توبہ کو قبول کیا اور ان سے عذاب کو ٹلا دیا۔

تو یہ خیال کرنا کہ دوسرے مذاہب والوں کی دعائیں نہیں سُنی جاتیں یہ بالکل غلط ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نبیوں کی جماعتوں کی اکثر دعائیں سنی جاتی ہیں اور دوسروں کی دعائیں اس کثرت سے نہیں سُنی جاتیں۔ لیکن جن دعاؤں کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے۔ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔ اِس سے مراد وہ دعائیں ہیں جو نبیوں کی جماعتوں کے خلاف ہوتی ہیں۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کے دشمنوں کی اُن دعاؤں کو بھی قبول کر لے جو وہ انبیاء کے خلاف کرتے ہیں تو تمام سچائیاں اور تمام صداقتیں دنیا سے مٹ جائیں۔ ابوجہل نے بدر کے موقع پر یہ دعا کی تھی کہ اے خدا! اگر یہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا اور اگر یہ سچا نہیں ہے تو تُو اسے نیست و نابود کر دے۔5 اللہ تعالیٰ نے اُس کے اپنے حصے کی نصف دعا تو قبول کر لی اور اُسے ذلت کی موت نصیب ہوئی لیکن جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دعا کی تھی وہ قبول نہ ہوئی۔ علاوہ ابوجہل کے اَور بھی بہت سے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روزانہ بددعائیں کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو ردّ کیا اور آپ کی صداقت کو ثابت کر دیا۔ اِسی طرح موسیٰؑ، عیسیٰؑ کے دشمن ہمیشہ بددعائیں کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی بددعائیں نہیں سنتا تھا۔ پس وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کی وہ دعائیں نہیں سنتا جو نبیوں اور سچائیوں کے خلاف ہوں۔ جو ذاتی دعائیں ہوتی ہیں وہ ان کی بھی سُنی جاتی ہیں کیونکہ وہ بھی تو خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ پس ہر ایک انسان کی دعا اثر رکھتی ہے بشرطیکہ وہ دردِ دل سے کی جائے اور وہ نبیوں کے خلاف نہ ہو۔ اس لئے ہماری جماعت کو خود بھی دعائیں کرنی چاہئیں اور اپنے ملنے والوں کو بھی دعاؤں کی تحریک کرنی چاہئے اور ہر ایک پر زور دینا چاہئے کہ یہ ایام خاص طور پر دعاؤں کے ہیں۔ ایک آدمی کی کوتاہی سے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان تباہی کے گڑھے میں گر جائیں گے اور فتنہ و فساد کی آگ سے بھسم ہو کر رہ جائیں گے اور

بیسیوں سالوں کے لئے ملک کی حالت قابل رحم ہو جائے گی۔

دعاؤں سے علاوہ ان کی قبولیت کے ان کا ایک نفسیاتی اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان بُرے کاموں سے رُکنے کی کوشش کرتا ہے۔ فرض کرو ایک شخص یہ دعا کرتا ہے کہ یاالٰہی! تُو میرے دل کو صاف کر دے تو پہلا فائدہ جو اِس سے ہو گا وہ یہ ہے کہ اس کی دعا قبول ہو گی۔ اس کے اندر نیکی اور تقویٰ پیدا ہو گا اور اس کا دل صاف ہو جائے گا۔ علاوہ اس کے اسے یہ فائدہ بھی ہو گا کہ جب اس کے دل میں بد خیال پیدا ہو گا تو وہ اس کا مقابلہ کرے گا کیونکہ وہ خیال کرے گا کہ ابھی مَیں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہا تھا کہ تُو میرے دل کو پاک کر دے اور ابھی مَیں بدخیالوں کے پیچھے چل رہا ہوں۔ یہ خیال آتے ہی وہ بدی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور علاوہ آسمان کی مدد حاصل کرنے کے وہ بُرے خیالات کو خود بھی اپنے دل میں داخل ہونے سے روکے گا۔ پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں میں دعا کی تحریک کرے۔ اس طرح سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے دلوں میں جو ایک دوسرے کے لئے بُغض ہیں اور جو ایک دوسرے کی مخالفت ہے وہ کم ہو جائے گی۔ اور جو لوگ یہ دعائیں کریں گے اُن پر جو اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو گا وہ اس سے الگ ہو گا۔

یہ دن ایسے ہیں کہ ہماری جماعت کو اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو دن رات سمجھانا چاہئے کہ وہ کوئی شورش پیدا نہ کریں اور خود بھی امن سے رہیں اور دوسروں کو بھی امن سے رہنے دیں۔ خصوصاً دہلی والوں پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کیونکہ وہ ہندوستان کے پایۂ تخت میں رہتے ہیں۔ مَیں نے ایک نفسیاتی ماہر کی کتاب پڑھی ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ ہزاروں ہزار پھانسیوں کی وجہ یہ تھی کہ جج کے ناشتہ پر انڈے حد سے زیادہ اُبلے ہوئے تھے یا کسی چیز میں نمک زیادہ تھا یا کسی قسم کا کوئی اَور معمولی نقص تھا۔ جس کی وجہ سے باہر نکلتے وقت جج کی طبیعت میں انقباض اور غصہ پیدا ہو گیا تھا اور بجائے گھر کے لوگوں پر غصہ نکالنے کے اُس نے دوسروں پر جا کر غصہ نکالا۔ تو طبائع کے چھوٹے چھوٹے اشتعال بعض دفعہ بہت بڑے فتنے پیدا کر دیتے ہیں کیونکہ ایک بات جب بار بار کسی کے کان میں ڈالی جائے تو آہستہ آہستہ وہ اثر کرنے لگ جاتی ہے۔ خواہ اُس میں حقیقت کچھ بھی نہ ہو۔

مثل مشہور ہے کہ ایک استاد لڑکوں کو بہت مار اپیٹا کرتا تھا۔ سب لڑکوں نے مشورہ کیا کہ آج کوئی ایسی بات کی جائے جس سے وہ پڑھائی کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ آخر یہ طے ہوا کہ آج ماسٹر صاحب کو یہ وہم ڈالا جائے کہ آپ بیمار ہیں۔ چنانچہ جُوں جُوں لڑکے استاد کے سامنے حاضر ہوئے باری باری ہر ایک لڑکے نے یہ کہنا شروع کیا کہ آج آپ کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ کیا آپ بیمار ہیں؟ پھر دوسرا اُٹھا اُس نے بھی اسی طرح کہا۔ پھر تیسرا آیا اُس نے بھی اسی طرح کہا کہ کیا آپ بیمار ہیں؟ پہلے تو اس نے گالیاں دینی شروع کیں۔ لیکن لڑکے اپنے مشورہ کے مطابق یہ کہتے چلے گئے کہ کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ کی طبیعت کچھ خراب سی معلوم ہوتی ہے۔ جب پانچ سات لڑکوں نے کہا تو آہستہ آہستہ استاد جی کا غصہ فرو ہو گیا۔ تو انہوں نے کہا مجھے کچھ نہیں ہوا، تم اپنا کام کرو۔ آخر جب پانچ دس اَور لڑکوں نے یہی بات کہی تو استاد صاحب کہنے لگے۔ یونہی کچھ طبیعت خراب سی معلوم ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر لڑکوں کو رخصت دی اور گھر جا کر چارپائی پر لیٹ گئے۔ یہ ایک قصہ ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو باتیں کثرت سے کان میں پڑتی رہیں اُن پر انسان کو یقین ہو جاتا ہے۔ تم تجربہ کر کے دیکھ لو۔ اگر ایک بات کے متعلق دس آدمی کہنا شروع کر دیں تو جو شخص اُن کے منہ سے سُنے گا وہ اسے ایسے طور پر آگے جا کر بیان کرے گا گویا اُسے اُس نے خود دیکھا ہے اور اس کے پاس بہت سے دلائل و شواہد موجود ہیں حالانکہ وہ ساری شنید ہو گی۔ اور اگر اس سے کہا جائے کہ یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ تو وہ کہتا ہے لوگ یونہی کہتے ہیں، ساری دنیا یونہی کہتی ہے۔ گویا وہ پانچ دس آدمی ساری دنیا بن جاتے ہیں۔ تو یہ واقع ہے کہ جو باتیں بار بار کانوں میں پڑیں آہستہ آہستہ ان کا اثر دلوں پر ہو جاتا ہے۔ اب اگر مسلمانوں کے کانوں میں یہ آواز بار بار پڑتی رہے کہ ہندو مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں اور وہ مسلمانوں کو مٹانا چاہتے ہیں تو آہستہ آہستہ یہ بات اس طرح ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گی کہ اس کو نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ یا اگر ہندوؤں سے یہ کہا جائے کہ مسلمان تمہارے متعلق بد ارادے رکھتے ہیں اور تمہارے مٹانے کے درپے ہیں اور یہ آواز بار بار ان کے کانوں میں پڑتی رہے تو پھر اِن خیالات کا ان کے دلوں سے نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ اب صلح کرانے والے بھی انسان ہی ہیں، ان کے دوست بھی ہیں اور ان کے نوکر چاکر

بھی ہیں اور ان کے ارد گرد شکایتیں کرنے والے لوگ بھی ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کی باتوں سے متأثر ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے ہمسائے کی باتوں سے متأثر ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے ملنے والوں کی باتوں سے متأثر ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے نوکروں چاکروں کی باتوں سے متأثر ہو سکتے ہیں اور ملک کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھوں میں ہے۔ ان کی ذرا سی لغزش اور ذرا سی غلطی ملک کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔ ان سب باتوں کا علاج صرف دعا ہے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ کون کون ان کو ملنے کے لئے آیا اور کس کس کی بات نے انہیں راہ راست سے پھیرا۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کونسی بات ان کو راہ راست سے پھیرنے والی ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ایسے سامان پیدا کرے گا کہ جو لوگ لڑائی جھگڑا کرانا چاہتے ہوں گے وہ اپنے اس بد اِرادہ میں ناکام رہیں گے اور وہ صلح کے اندر رخنہ اندازی نہ کر سکیں گے۔ پس ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اے خدا! ہم تیرے سامنے التجا کرتے ہیں کہ تُو خود ہی ان اشتعال انگیزیوں کے سامانوں کو مٹا دے۔ اگر وہ اشتعال پیدا کرنے والے دیدہ دانستہ کرتے ہیں تو تُو اُن کو ہدایت بخش۔ اور اگر نادانستہ کرتے ہیں تو تُو اُنہیں اُن کی غلطی پر آگاہ کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنی کوششوں سے شر کے تمام دروازے بند نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو۔ ہزاروں ہزار مواقع ایسے پیش آتے ہیں کہ بظاہر انسان کو کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور چاروں طرف بہت بڑی دیواریں اور روکیں نظر آتی ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل نازل فرمائے تو وہ روکیں اور وہ دیواریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کوئی نہ کوئی راستہ نکل آتا ہے۔ جنگ خندق کے وقت جسے جنگ احزاب بھی کہا جاتا ہے دشمن نے ایسے طور پر مسلمانوں پر حملہ کیا کہ مسلمانوں کو بچاؤ کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ مسلمانوں کی فوج کی تعداد بارہ سو تھی اور دشمن کی فوج کی تعداد دس ہزار سے چوبیس ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ اگر درمیانی تعداد نکالیں تو سترہ ہزار بنتی ہے۔ اُدھر سترہ ہزار کا لشکر اور اِدھر مسلمانوں کا صرف بارہ سو کا لشکر تھا۔ اتنے بڑے وسیع قصبے کی حفاظت بارہ سو آدمی کس طرح کر سکتے تھے۔ حفاظت کا کوئی رستہ نظر نہیں آتا تھا۔ آخر رسول کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے پوچھا کہ

آپ کے ملک میں ایسے موقع پر کیا کرتے ہیں؟ اُنہوں نے بتایا کہ ایسے موقع پر شہر کے ارد گرد خندق کھود کر شہر کی حفاظت کرتے ہیں۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ تجویز پسند آئی۔ آپ نے فرمایا یہ نئی چیز ہے ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے صحابہؓ کو خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔6 مدینہ کی وہ سمت جہاں سے کہ دشمن کے حملے کا زیادہ خطرہ تھا اُس طرف صحابہؓ نے خندق کھودنی شروع کر دی۔ آپ نے دس آدمیوں کو دس دس فٹ جگہ دے دی۔ گویا ایک آدمی کے حصہ میں ایک فٹ جگہ آئی اور اگر اس کی چوڑائی سات آٹھ فٹ اور گہرائی آٹھ نو فٹ سمجھی جائے تو ایک آدمی کے حصہ میں ساٹھ ستّر فٹ کی کھدائی کا کام تھا۔ اور یہ تمام کام صرف بارہ سو آدمی نہیں کر سکتا تھا اِس لئے بچوں اور عورتوں نے بھی اس کھدائی میں حصہ لیا۔ بچوں کے متعلق تو مجھے یقینی طور پر علم ہے کہ وہ شامل تھے اور عورتوں کے متعلق بھی میرا قیاس ہے کہ وہ بھی ضرور شامل ہوئی ہوں گی کیونکہ صحابیات اکثر اجتماعی کاموں میں حصہ لیتی تھیں۔ گویا اس طرح اس خندق کی کھدائی میں تین ہزار کے قریب افراد شامل ہوئے۔ جو خندق کھودی گئی وہ کچھ ایسی مکمل تو نہ تھی لیکن کسی قدر حفاظت کا سامان پیدا ہو گیا تھا۔ مدینہ کے سامنے جو میدان تھا اس طرف آپ نے خندق کھدوا دی۔ باقی تین اطراف کھلی تھیں۔ ان میں سے ایک طرف تو پہاڑیاں تھیں اور دشمن اس طرف سے حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا اور دوسری طرف یہودیوں کی بستیاں تھیں اور باغات تھے اور یہودیوں سے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معاہدہ ہو گیا تھا کہ وہ لڑائی کے موقع پر آپ کا ساتھ دیں گے۔ اور تیسری طرف مدینہ کا شہر تھا اِس لئے اُس طرف سے بھی شدید حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دشمن جب مدینے پر حملہ آور ہوا تو وہ خندق کی وجہ سے رُک گیا اور اس نے اس میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ جب دشمن نے دیکھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنا مشکل ہو گیا ہے تو انہوں نے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ تم ہمارے ساتھ مل جاؤ تو ہم مل کر حملہ کریں۔ یہودی مان گئے۔ انہوں نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہودیوں کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے کفار کے لئے ایک اَور طرف مدینہ کی خالی ہو گئی۔ یہودی جب کفّار کے ساتھ مل گئے تو مسلمانوں کے لئے سخت خطرہ پیدا ہو گیا۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے خاندان کی عورتوں کو ایک میدان میں جمع کر دیا تھا جو یہود کی طرف تھا۔ چونکہ مرد خندق کی حفاظت کر رہے تھے اس لئے

یہودیوں نے آدمی بھیج کر پتہ لگانا چاہا کہ مسلمان عورتیں کس جگہ جمع ہیں تا کہ ان پر حملہ کیا جا سکے۔ اس وقت حالت بہت نازک تھی۔ یہودیوں میں سے ایک شخص اس مکان تک جا پہنچا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی عورتیں تھیں اور موقع تاڑ کر اندر گُھس آیا۔ وہاں پہرے پر ایک بیمار صحابیؓ مقرر تھے۔ انہوں نے مقابلہ کیا کرنا تھا۔ اُن عورتوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی بھی تھیں جو کہ بہت بہادر تھیں۔ اُنہوں نے اُس کو اندر آتے دیکھ کر اس صحابیؓ سے کہا کہ آپ اِس کا مقابلہ کریں کیونکہ وہ بوجہ بیماری کے مقابلہ نہ کر سکے تو اُنہوں نے خود خیمے کی چوب نکال کر اس یہودی پر حملہ کیا اور اسے زخمی کر دیا اور پھر باقی عورتوں سے مل کر اسے مار دیا۔ 7 اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گیا کہ یہودی لوگ فساد پر آمادہ ہیں۔ آپ نے ان کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے ان کی طرف آدمی بھجوائے۔ یہودیوں نے کہا ہمارا آپ سے کوئی معاہدہ نہیں ہم آزاد ہیں جس طرح چاہیں کریں۔ یہ خبر مدینہ کے مسلمانوں پر بجلی کی طرح پڑی۔ تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق پر جو بارہ سو آدمی متعین کئے تھے ان میں سے دو سو آدمی اس جگہ کی حفاظت کے لئے بھجوا دئے۔ جہاں آپ کے خاندان کی عورتیں تھیں اور دوسرے ایسے خاندانوں کی عورتیں تھیں جس پر دشمن کی خاص نظر تھی۔ تین سَو کا لشکر اُس جگہ کی حفاظت کے لئے بھجوا دیا جہاں مدینہ کی دوسری عورتوں کو رکھا گیا تھا۔ گویا کُل سات سَو آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے رہ گئے۔ اس تبدیلی سے مسلمانوں کی حالت اَور بھی نازک ہو گئی اور وہ گھبرا گئے کہ اب کیا کیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم اس حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتا ہے۔ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا 8 گویا اُن پر ایک قسم کا زلزلہ آ گیا تھا اور کمزور ایمان والے مسلمانوں نے بہانے بنانے شروع کر دیئے کہ ہمارے گھر ننگے ہیں، اُن میں کوئی مرد حفاظت کرنے والا نہیں اور بعض نے بیماری کے بہانے بنائے۔ وہ حالت ایسی نازک تھی کہ ایک عیسائی مؤرخ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کا عادی ہے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ دن ایسے خطرناک تھے کہ ان کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ مسلمانوں کو رات دن جاگنا پڑتا تھا اور خطرناک سے خطرناک مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ وہ دوسری سب مصیبتوں کو بخوشی برداشت کر سکتے تھے لیکن جو چیز

سب سے زیادہ اُن کے لئے تکلیف دہ تھی وہ یہ تھی کہ دشمن رسول کریم ﷺ پر حملہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ جہاں تک قربانی کا سوال ہے بعض دفعہ آٹھ دس صحابہؓ نے ہزار ہزار کا مقابلہ کیا ہے لیکن وہ اِتنے متفکر نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول کریم ﷺ امن میں ہیں لیکن اب مسلمان اس بات سے پریشان تھے کہ ہم تو مر جائیں گے لیکن رسول کریم ﷺ کی کون حفاظت کرے گا۔ پس انہیں اپنی جانوں کا ڈر نہ تھا بلکہ انہیں رسول کریم ﷺ کے متعلق خطرہ تھا کہ دشمن کہیں آپ کو نقصان نہ پہنچا دے۔ میور جیسا متعصب مؤرخ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے کہ جب کفار نے حملہ کر کے رسول کریم ﷺ تک پہنچنے کی کوشش کی تو مُٹھی بھر مسلمانوں نے اس طرح اپنی جانیں قربان کیں کہ دشمن کو باوجود کثیر التعداد ہونے کے پسپا ہونا پڑا۔ 9 ان خطرناک حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے یہ سامان کیا کہ ان سترہ ہزار آدمیوں میں سے ایک آدمی کے دل پر اسلام کی حقیقت کُھل گئی اور وہ رات کو چوری چوری رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچا اور اسلام لایا۔ اسلام لانے کے بعد اس نے عرض کیا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ مجھے کوئی کام بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لشکر اگر شرارت سے باز آجائے تو بہت اچھا ہے۔ تم اس کے لئے کوشش کرو۔ وہ آدمی بہت ذہین تھا۔ وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ یہودیوں کے پاس پہنچا۔ چونکہ وہ یہودیوں کا دوست تھا اِس لئے اُنہیں اس پر بہت اعتماد تھا۔ وہ یہودیوں سے کہنے لگا مَیں تمہارا دوست ہوں اور تمہارا خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے مَیں تمہیں ہوشیار کرتا ہوں کہ اگر باہر سے آنے والے لشکروں نے واپسی کا فیصلہ کر لیا تو تم مشکلات میں پھنس جاؤ گے اور مسلمان تم کو سخت سزا دیں گے۔ اگر لڑائی نے ذرا بھی خطرناک صورت اختیار کی تو باہر سے آئے ہوئے لشکر اپنی جان بھاگ کر بچائیں گے۔ اس وقت تم کیا کرو گے؟ یہودیوں نے ان سے پوچھا آپ ہی بتائیں ہم کیا تدبیر کریں کہ جس سے ہماری تسلی ہو جائے۔ اس نے کہا کہ تم باہر سے آنے والے قبائل کے سامنے یہ مطالبہ رکھو کہ وہ ستّر آدمی بطور یرغمال کے دیں تا کہ وہ نہ ہی صلح کر سکیں اور نہ اپنے آدمیوں کو چھوڑ کر بھاگ سکیں۔ اُس کی یہ تجویز سن کر یہودی بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت اچھی تدبیر ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔ وہاں سے اٹھ کر وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے

یہودیوں سے معاہدہ تو کر لیا ہے لیکن اگر وہ مسلمانوں سے ڈر کر تم سے غداری کریں اور اپنے قلعوں میں سے تم کو راستہ نہ دیں تو پھر کیا کرو گے؟ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہمیں اپنے آدمی یرغمال کے طور پر دو تب اعتبار کریں گے اور پھر دھوکا کر جائیں تو آپ لوگوں کا کیا زور چلے گا؟ اُنہوں نے کہا ہم ایسا کبھی نہ کریں گے۔ اگر انہوں نے یرغمال مانگی تو ہم سمجھ لیں گے کہ وہ شرارت پر آمادہ ہیں اور ہم کل ہی حملہ کا فیصلہ کر کے انہیں اپنی مدد کے لئے بلاتے ہیں دیکھیں! وہ کیا کہتے ہیں۔ اس طرح تشفّی کر کے وہ نَو مسلم اپنے خیمہ میں اطمینان سے چلے گئے۔ دوسرے دن کفار کے لشکر کے سرداروں نے یہودیوں کو پیغام بھجوایا کہ ہم اب فوری طور پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تم لوگ بھی تیاری کر کے ہمارے ساتھ آملو تا کہ یکدم حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کر دیں۔ یہودیوں نے ان کو جواب بھیجا کہ ہمیں شبہ ہے کہ ایسا نہ ہو تم حملہ کرنے کے بعد بھاگ جاؤ یا مسلمانوں سے صلح کر لو اس لئے تم ستّر آدمی بطور یرغمال کے ہمارے پاس بھیج دو۔ قبائل کے سردار یہودیوں کا یہ جواب سن کر سمجھ گئے کہ یہودی کوئی شرارت کرنا چاہتے ہیں اور ان کے ذہن اس شبہ کی طرف منتقل ہو گئے جو اس صحابی نے بیان کیا تھا۔ اُنہوں نے یہودیوں کو جواب دیا کہ اگر سیدھی طرح مدد کرنی ہے تو کرو ہم اپنے آدمی دے کر اپنے ہاتھ نہیں کٹوانا چاہتے۔ سارا دن یہ جھگڑا رہا۔ آخر دونوں فریقوں میں بدمزگی پیدا ہو گئی اور بدمزگی کی وجہ سے ان کے دلوں میں بزدلی پیدا ہو گئی۔10 ان قبائل میں یہ رواج تھا کہ رات کو تمام قبیلے اپنی اپنی آگ جلا کر رکھتے تھے۔ اگر تمام رات ان کی آگ جلتی رہتی تو وہ سمجھتے کہ آج کا دن مبارک ہے اور ہمارا دیوتا ہم پر خوش ہے۔ لیکن جس دن کسی قبیلہ کی آگ بجھ جاتی وہ قبیلہ سمجھتا کہ آج ہمارا دن منحوس ہے اور ہمارے لئے کوئی مصیبت لائے گا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُسی رات ایک قبیلہ کی آگ بجھ گئی۔ اُنہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آج کا دن ہمارے لئے مبارک نہیں اِس لئے آج ہمیں اپنے خیمے اُکھاڑ کر ایک دن کی منزل پر پیچھے چلے جانا چاہئے دوسرے دن پھر واپس آ جائیں گے۔ چونکہ سارا دن یہ باتیں ہوتی رہی تھیں کہ یہودیوں کی نیت خراب ہے اور وہ مسلمانوں سے مل کر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو جب اس قبیلہ نے اپنے خیمے اُکھاڑنے شروع کئے تو ہمسایہ قبائل نے یہ سمجھا کہ شاید یہودیوں نے مسلمانوں سے مل کر شبخون مارا ہے۔ اِس طرح

پہلے ایک قبیلہ نے پھر دوسرے قبیلہ نے خیمے اکھاڑنے شروع کر دیئے اور وہ سترہ ہزار کا لشکر صبح تک میدان خالی کر کے چلا گیا۔ اس وقت قبائل میں اس قدر بھاگڑ 11 مچی کہ ابو سفیان کے متعلق تاریخ میں آتا ہے کہ اس کا اونٹ بندھا ہوا تھا۔ وہ جلدی میں بندھے ہوئے اونٹ پر سوار ہو گیا اور اسے سوٹیاں مارنے لگا۔ پاس سے کسی شخص نے توجہ دلائی کہ پہلے اونٹ کے پاؤں کی رسّی تو کھول لو پھر اُسے ہانکنا۔ صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک صحابیؓ کو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ دشمن بھاگ چکا ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں۔ سخت سردیاں تھیں۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کئی دفعہ کہا کہ کوئی ہے جو جا کر دشمن کی خبر لائے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہماری زبانیں سردی کے مارے جم رہی تھیں اور ہمارے منہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔ آخر ایک صحابیؓ نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! مَیں جاتا ہوں اور دشمن کی خبر لاتا ہوں۔ وہ گئے اور واپس آکر عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! لشکر کا تو سوال کیا۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں اور میدان خالی پڑا ہے۔12 یہ ایک الٰہی تدبیر تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے کی۔ تو بعض دفعہ اللہ تعالیٰ خطرناک سے خطرناک مواقع پر بھی کوئی نہ کوئی رستہ پیدا کر دیتا ہے۔

پس یہ مت سمجھو کہ ہم لوگوں کے دلوں کو کیسے صاف کر سکیں گے اور ان کے دلوں سے بُغض اور کینہ کو کس طرح دور کر سکیں گے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے روئیں اور چلّائیں کہ اے خدا! تُو لوگوں کے دلوں کو صاف کر دے اور آنے والے حالات کے خطرناک نتائج سے اپنے بندوں کو بچا لے۔ اور اسی طرح دوسری پبلک کو بھی ہم یہی تحریک کریں کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے رؤو اور چلّاؤ اور اللہ سے اپنا حق مانگو۔ اور کینوں اور بغضوں کو چھوڑ دو کیونکہ ان سے کام نہیں بنتا۔ اگر ہماری جماعت کو یہ کینے اور بُغض لوگوں کے دلوں سے نکالنے کے لئے قربانی بھی کرنی پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بظاہر یہ حالات قربانیوں کے بغیر بدلتے نظر نہیں آتے۔ پس سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے دلوں کو بدلیں۔ اگر ہم اپنے دلوں کو بدلیں گے تو ہمارے ہمسایوں اور ملنے جُلنے والوں پر بھی ہماری باتوں کا اثر ہو گا۔ چونکہ آج میری طبیعت پر بوجھ ہے اس لئے مَیں لمبا خطبہ نہیں پڑھ سکتا۔ صرف یہی کہتا ہوں کہ آج سے ہماری جماعت کو دعاؤں پر خاص زور دینا چاہئے اور

نمازوں میں اور نمازوں کے بغیر چلتے پھرتے ہوئے، کام کرتے ہوئے ہمارے دلوں سے یہی دعا نکلتی رہنی چاہئے کہ اے خدا! ہمارے ملک کی چالیس کروڑ آبادی پر تباہی اور بربادی کے بادل منڈلا رہے ہیں تُو اپنے فضل سے ان حالات کو بدل دے۔ چالیس کروڑ انسانوں کی تباہی کوئی معمولی چیز نہیں۔ لوگوں کے دل بہار اور کوئٹہ کے زلزلہ کو یاد کرکے کانپ جاتے ہیں حالانکہ بہار اور کوئٹہ کے زلزلہ میں ایک دو لاکھ انسان تباہ ہوئے تھے لیکن اب تو چالیس کروڑ انسان کی موت اور حیات کا سوال در پیش ہے۔ اگر اب کوئی فساد پیدا ہؤا تو اس میں اتنی تباہی ہو گی کہ دنیا کے پردے پر اس کی مثال نہیں ملے گی۔ مسلمان جوش میں آکر کہہ دیتے ہیں کہ ہم لڑنے والی قوم ہیں۔ اگر ہمارا تیس کروڑ ہندوؤں سے مقابلہ ہؤا تو ہم ان میں سے کسی ایک کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ فرض کرو اگر دس کروڑ مسلمان تیس کروڑ ہندوؤں کو مار بھی لیں تو کیا تیس کروڑ کا مارنا ان کے دلوں میں سکون اور اطمینان باقی رہنے دے گا۔ اگر ہندو خدا کے سوا کسی بُت کے بندے ہیں اور ان کا پیدا کرنے والا کوئی اَور ہے پھر تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمان ان کو مارنے کے بعد آرام اور چین کا سانس لے لیں گے۔ لیکن اگر وہ اسی خدا کے بندے ہیں جس نے مسلمانوں کو پیدا کیا تو مسلمان ان کو مار کر کس طرح آرام سے دن بسر کر سکتے ہیں۔ یا اگر ہندو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم منظّم قوم ہیں اور ہم تیس کروڑ ہیں اس لئے ہم دس کروڑ کو آسانی سے مار لیں گے تو اُنہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر وہ انسان ہیں اور وہ یقیناً انسان ہیں تو آج وہ بے شک دس کروڑ کو مار لیں لیکن اس گناہ اور اس جُرم کو یاد کرکے آئندہ ان کی نسلوں کے دلوں سے خون کے آنسو ٹپکیں گے اور وہ اس جُرم اور گناہ کو یاد کرکے ان پر لعنتیں بھیجیں گے۔ بظاہر جوش میں انسان کو ایک دوسرے کا مارنا معمولی نظر آتا ہے لیکن جب وہ ٹھنڈے دل سے سوچتا ہے تو اس کا یہ فعل اس کی زندگی کو ہمیشہ کے لئے تلخ بنا دیتا ہے۔

انسان انسانیت سے خواہ کتنا دور چلا جائے لیکن انسانیت سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ یزید بن معاویہ کتنا بدنام ہے کہ اس نے ظلم و تعدی کرکے بادشاہت حاصل کی۔ لیکن اس کے بعد جب اس کے بیٹے کو بادشاہ بننے کے لئے کہا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مَیں بادشاہت کا مستحق نہیں۔ میرے باپ نے ظالم بن کر دوسروں کا حق چھینا تھا۔ ماں نے بہت

اصرار کیا کہ تم خاندان کی ناک کاٹ رہے ہو لیکن اس نے کہا۔ ماں! مَیں نے خاندان کی ناک کاٹی نہیں بلکہ کٹنے سے بچالی ہے۔ اس پر بادشاہ بننے کے لئے بہت زور دیا گیا لیکن اس نے ہر دفعہ انکار کیا اور وہ روتے روتے چالیس دن کے بعد مر گیا۔ اس کے باپ نے اس لئے گناہ کیا تھا کہ اس کی اور اس کے خاندان کی عزت بڑھے لیکن خود اس کے بیٹے نے اس جھوٹی عزت پر لات مار دی اور رو رو کر جان دے دی۔

پس انسان انسانیت سے کتنا ہی دور چلا جائے اور شیطان اس پر کتنا ہی قابو پالے لیکن ایک دن آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت اس کے دل پر قائم ہو جاتی ہے۔ پس اگر ملک میں فساد ہوا تو یا مسلمانوں کو گنہگار سمجھا جائے گا اور یا ہندوؤں کو گنہگار سمجھا جائے گا۔ اور یہ گناہ اتنا بڑا گناہ ہو گا کہ وہ نسلاً بَعْدَ نَسْلٍ دونوں قوموں کی خوشی اور راحت کو مٹا دے گا اور ان کے دن اور راتیں عذاب میں گزریں گی۔ اور وہ نہایت افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ کاش! ہماری زندگیاں ختم ہو جائیں اور ہمیں ان پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات مل جائے۔ پیشتر اس کے کہ وہ دن آئیں، ہم پر آئیں یا ہمارے بھائیوں پر آئیں ہمیں انتہائی کوشش کرنی چاہئے کہ دنیا اِس عذاب سے بچ جائے۔ ہمارے پاس اِس وقت دنیا کو بچانے کے لئے ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ دعا ہے۔ پس ہماری جماعت کو خدا کے حضور رو رو کر دعائیں کرنی چاہئیں اور دن رات جماعت کے دل دعاؤں میں منہمک رہیں، جاگتے ہوئے بھی اور سوتے ہوئے بھی یہ دعا تمہارے دلوں سے نکلتی رہے اور جب تمہاری آنکھ کُھلے اُس وقت بھی تمہاری زبان پر یہ دعا جاری ہو۔ جب دعا انسان پر غالب آ جاتی ہے اور انسان دعا کی چادر اوڑھ لیتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشتا ہے۔ اور اس پر خدا تعالیٰ کے فضل نازل ہوتے ہیں۔

پس صرف سجدوں میں ہی نہیں بلکہ ہر حالت میں تمہارے دل سے یہ دعا نکلتی رہے۔ اگر کوئی شخص نہانا چاہے اور بجائے نہانے کے پانی کا ایک قطرہ ڈال کر یہ سمجھ لے کہ مَیں نے نہا لیا ہے تو ہر انسان اسے پاگل سمجھے گا۔ پس تم اپنے دلوں پر اس دعا کو حاوی کر لو اور کھاتے وقت، سوتے وقت، اُٹھتے بیٹھتے تم دعا کرو کہ اے خدا! تُو اپنے فضل سے ملک کے اِس فتنہ کو دور کر اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں کو صاف کر دے اور ان کے تعلقات آپس میں بھائیوں

جیسے کر دے۔ ہمارا ملک جو سینکڑوں سال سے غلامی کی زندگی گزار رہا تھا بڑی مدت کے بعد آسمان سے آزادی کی خلعت اِس کے لئے اُتر رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے لئے قتل وغارت کا سامان پیدا کرنے والے ہوں۔" (الفضل 30 اکتوبر 1946ء)

1: الرعد: 15

2: تلخیص یوناہ باب 3،4

3: وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ۔ (الصّٰفّٰت: 140 تا 147)

4: یوناہ باب 4 آیت 6 تا 11

5: صحیح بخاری کتاب التفسیر سورة الانفال باب قولهٗ اللّٰھم ان کان ھذا ھوالحق من عندك فامطر

6: تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 165۔ مطبوعہ بیروت 1987ء

7: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 239 مصر 1936ء

8: الاحزاب: 12

9: Life od Mahomet page:322 by William Muir مطبوعہ لندن 1887ء

10: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 240 تا 242 مطبوعہ مصر 1935ء، السیرة الحلبیة جلد 2 صفحہ 346 تا 348 مطبوعہ 1935ء

11: بھاگڑ مچنا (محاورہ): ہل چل مچنا۔ شکست ہو جانا۔ بد انتظامی ہونا۔ بے ترتیبی۔

12: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 242 تا 244 مطبوعہ مصر 1935ء